ہوا
چُپکے سے
کہتی ہے
نوشی گیلانی
READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

ترتیب

غزلیں

نظمیں

کچھ اور غزلیں

کچھ اور نظمیں

میں نیواں میرا مُرشد اُچّا

چاندنی رات کے سایے سایے رات کی رانی جب ہَوا کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے مسکراتی ہے تو نرم گیتوں کی خوشبو زمین سے آسمان تک عجب معجزے تخلیق کرتی ہے۔ آنگن میں خواب کی پریاں رقص کرتی ہیں۔ دیواروں سے لپٹی سبز بیلیں اک ادا سے بل کھاتی اور بکھرتی چلی جاتی ہیں اور کبھی جو ساحل سے دیکھو تو لمبی سُرخ چونچوں والے سفید آبی پرندے جب سطحِ سمندر کو چھو کر بادلوں کی طرف اُڑتے ہیں تو پرندے نہیں لگتے، خیال لگتے ہیں...... خوش جمال خیال...... کہ جو قوسِ قزح کی سی متانت و دلکشی رکھتے ہیں اور فضا کو سنوارتے چلے جاتے ہیں۔

کشف و خود فراموشی کی راتوں میں صحرا کی باسی اِک لڑکی نے نیم نیند کے عالم میں کچھ پوری کچھ ادھوری نظمیں لکھتے آسمان پر اُڑتی چاند کے وصل کو بے قرار کونجوں کی ڈاریں شمار کی تھیں۔ ان کی نارسائی کے دُکھ کو اپنی ہڈیوں میں اُترتا محسوس کیا تھا۔ ان کی سوگواری کو

اپنے دل میں دھڑکتا پایا تھا۔ان کی تھکن سے اپنے جسم وجاں کو نڈھال ہوتے دیکھا تھا لیکن یہ بے خبر لڑکی اپنے مقدر کی ہتھیلی پر مسافت کی لکیریں نہ دیکھ پائی۔

پھر یوں ہوا کہ صحرا کے پہلو میں بستے اِس روائتی شہر کے بڑے سے دالان والے نیم روائتی گھر میں اونٹوں والے آئے جشنِ سہاگ برپا ہوا اور اس بار ''سسّی'' کو کجاوے کی زینت بنا گئے۔دُور ہوتے قافلے سے آتی گھنگروؤں کی آوازیں مدہم ہوتی رہیں۔دُعاؤں کے دائرے پھیلتے گئے......رتھ دھیمی دھیمی ٹور[1]...

تب ہی یہ راز کھلا کہ بچپن کے آنگن میں گڑیوں کو دُلہن بناتی سہیلیوں کے سنگ کھیلتی بیٹی کو دیکھ کر ذرا دُور بیٹھی ماں کیوں ہلکے گلابی آنچل سے آنکھوں کے کونے رگڑتی جاتی اور امرتا پریتم کی ''رسیدی ٹکٹ'' پڑھتی جاتی۔

خزاں کے موسم میں درختوں پر تھرکتے سنہری پتوں پر اُترتی شام کی سُرخی کے طلسم جیسے ہجر و وصال کی اس سرحد پر شعور وآگہی نے عشق کا گیروی چولا پہنا......نیا جنوں......نیا یقین......نئی اداسی۔

کون جانے کہ خواب گلاب ہوں گے یا نہیں لیکن حرف ثواب ہو جائیں تو سمجھو ریاضت امر ہے

مالی دا کم پانی ڈینڑا بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھَل پھُل لانڑا لاوے یا نہ لاوے

سو عشق مسافر دلِ سادہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا اُس منزل تک جہاں من و تُو کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔

---

[1] حضرت خواجہ غلام فریدؒ

عشق ایک ماورائی جذبہ ہے۔کون ہے جو خواب کی خوشنما حویلی میں اپنی نیندوں کا قیام نہیں چاہتا، مگر عشق تو اپنا منشور خود ترتیب دیتا ہے۔یہ عشق ہی ہے جو بصارت کو بصیرت میں بدل دیتا ہے اور ریاضت کو عبادت میں۔اِس رُت میں دھرتی کے بدن پر زرد پھولوں کی بارش دہک اُٹھتی ہے۔

جب عشق کی چنبیلی روح کی مٹی میں جڑ پکڑ لیتی ہے تو درویش کا چولا چاہے کتنا ہی میلا ہو اس کے تاگے تاگے سے مہک پھوٹنے لگتی ہے......''حق'' کی مہک......''کُن'' کی شکتی۔

سَیاں رَل پانڑی نوں تُریاں کوئی کوئی مُڑسی بھر کے
جنہاں نے بھر کے سر تے دَھریا پیر رکھنڑ ڈر ڈر کے

(حضرت میاں محمد بخشؒ)

عشق وہ نشۂ بے مثال ہے کہ کبھی ڈونگی ندی بھی قطرہ لگتی ہے اور کبھی اک قطرۂ آب بھی دریا۔کبھی ہونٹوں پر پیاس کا بھڑکتا الاؤ بھی سیراب کر دیتا ہے اور کبھی خود کو پانیوں کے حوالے کر دینے سے بھی تشنگی کا عذاب کم نہیں ہوتا۔کبھی آنکھیں اک آنسو رو لینے کی طلب میں پتھرا جاتی ہیں تو کبھی اشکوں کا سیلِ رواں تھمتا ہی نہیں۔

کبھی عزاداری بھی سناٹے جیسی لگتی ہے اور کبھی سکوت سے بھی صدائے ماتم سنائی دیتی ہے۔کبھی گھر پر بھی قبر کا گماں ہوتا ہے اور کبھی قبر بھی نور سے آباد ہو جاتی ہے۔کبھی وصل بھی رگِ جاں کھینچتا ہے تو کبھی ہجر کی جادونگری بھی اسیر کر لیتی ہے۔

ترتیب و تزئین کیسی بھی ہو، تغیر و تبدل کیسا بھی، تدبیر و تاثیر کچھ بھی ہو......

عشقِ بے نیاز حکمرانی کرتا ہے اور کرتا چلا جاتا ہے چاہے یہ کیفیتِ مجاز ہو یا حقیقت۔

اور اہلِ عشق جانتے ہیں کہ ارض وسما کے یہ سب جلوے رَبّ کے جلوے ہیں۔ عشق کی قربت رَبّ کی قربت ہے ورنہ غارِ حرا میں ایمان کا بھید نہ ملتا۔ حضرت میاں محمد بخشؒ کے فیض سے۔۔۔۔۔

مَیں نیواں میرا مُرشد اُچّا اُچیاں دے سنگ لائی
صدقے جاواں انہاں اُچیاں کولوں جنہاں نیویاں سنگ نبھائی
مَیں اَنّھا تے تِلکن رستہ کیویں کراں سنبھالا
دَھکے دیونڑ والے بوہتے تُوں ہتھ پکڑن والا

نوشی گیلانی

سڈنی۔آسٹریلیا

۲۰
۵
۲۰۱۱

غزلیں

○

سفر ملال کا ہے اور چل رہی ہوں مَیں
غبارِ شب کی اُداسی میں ڈھل رہی ہوں مَیں

عجیب برف کی بارش بدن پہ اُتری ہے
کہ جس کی آگ میں چپ چاپ جل رہی ہوں مَیں

پھر اِک چراغ جلا شام کی حویلی میں
پھر ایک درد سے آخر سنبھل رہی ہوں مَیں

یہ رکھ رکھاؤ اُسے جاننے نہیں دے گا
کہ اَپنے آپ میں کیسے پگھل رہی ہوں مَیں

یہ عشق سچ سے جدا کیسے ہو گیا جاناں؟
اب اِس سوال سے باہر نکل رہی ہوں مَیں

بس ایک عشق مری ذات پہ صحیفہ ہو
مِرے خدا یہ عقیدہ بدل رہی ہوں مَیں

○

ہمارے درمیاں عہدِ شبِ مہتاب زندہ ہے
ہَوا چپکے سے کہتی ہے ابھی اِک خواب زندہ ہے

یہ کس کی نرم خوشبو ہے مِری شب کی حویلی میں
یہ کیسا رقصِ مستی اے دلِ بیتاب زندہ ہے

کہاں وہ سانولی شامیں، کہاں وہ ریشمی باتیں
مگر اِک لمسِ حیراں کا ابھی زرناب زندہ ہے

اَبھی تک پانیوں میں سرمئی سائے اترتے ہیں
اَبھی تک دھڑکنوں میں درد کی مِضراب زندہ ہے

فراتِ عشق ہے اور ہجر کی تنہا مسافت ہے
وہی ہے تشنگی پھر بھی فریبِ آب زندہ ہے

○

کہیں پہ جشنِ ملامت کبھی منایا گیا
بہ اہتمامِ محبت ہمیں بلایا گیا

عجیب عالمِ احساس تھا شبِ غم میں
کبھی چراغ جلایا کبھی بجھایا گیا

وہ گھر بنایا تھا جس کو بڑی محبت سے
اُسے جلایا گیا اور مسکرایا گیا

گئے دنوں میں تری جستجو کی لذت تھی
پھر اسکے بعد کہاں دِل کو آزمایا گیا

جسے خزاں نے سدا پائمال رکھا تھا
وہی گلاب سرِ شاخِ دل سجایا گیا

بس ایک چادرِ توقیر میرے سر پہ تھی
اُسے بھی آتشِ بے نور میں جلایا گیا

○

بہت اداس سہی شہرِ معتبر میں ہے
مرا وجود ابھی دستِ چارہ گر میں ہے

یہ خوشبوؤں سے تکلم یہ روشنی کا فسوں
جمالِ یار مرے خیمۂ ہنر میں ہے

فریبِ آب بھی سیراب کر گیا جاناں!
یہ کیا طلسم ترے عشق کے سفر میں ہے

نہ یادِ یار کی لذت نہ اعتبارِ جنوں
عجب سکوتِ مرے دل کے بام و در میں ہے

پھر اک چراغ جلا شام کی ہتھیلی پر
پھر اک سوال کسی چشمِ منتظر میں ہے

دعا کا بھید مری ذات پر نہیں کھلتا
مری طلب کا ہنر دشتِ بے اثر میں ہے

○

یہی ہے نا! تمھاری بے دھیانی سے گریزاں ہیں
کہ اَب تو ہم بھی اپنی رائیگانی سے گریزاں ہیں

تجھے بس ایک پل کو دیکھنا تھا بات کرنا تھی
مگر اَب تیرے لہجے کی گرانی سے گریزاں ہیں

تمھارے نام پر جلتا دِیا بجھنے نہیں دیتے
مگر دل پر تمھاری حکمرانی سے گریزاں ہیں

فریبِ گفتگو نے دیر تک مسحور رکھا ہے
مگر اَب ہم فضائے خوش گمانی سے گریزاں ہیں

عذابِ تشنگی نے جسم و جاں کو ریت کر ڈالا
لبِ دریا کھڑے ہیں اور پانی سے گریزاں ہیں

تجھے تسخیر کرنا تھا کسی دلدار ساعت میں
مگر یوں ہے کہ اَب ساری کہانی سے گریزاں ہیں

اُدھر وہ کشتیاں بھی مطمئن سی ہیں کناروں پر
اِدھر لہریں بھی اَب اپنی روانی سے گریزاں ہیں

کبھی شاخِ بدن پر روشنی کی آئتیں اُتریں
کبھی یہ رتجگے اِس مہربانی سے گریزاں ہیں

○

یہی نہیں کہ نظامِ وفا بدلنا ہے
تری حدوں سے بہت دور جا نکلنا ہے

سفر کی شام مرے بے چراغ رستوں پر
دعا کا فیض مرے ساتھ ساتھ چلنا ہے

شبِ وصال کسی ریشمی سے لمحے میں
وہ ماہتاب مرے بام پر نکلنا ہے

ہمیں خبر ہے ہواؤں کا رخ بدلتے ہی
کسے ٹھہرنا کسے ساتھ ساتھ چلنا ہے

کسے پتہ تھا مرے کوزہ گر ترے ہاتھوں
مرا وجود نئے زاویوں میں ڈھلنا ہے

ہم اپنا قافلۂ شوق کس لئے بدلیں
ہمیں تو وقت کی رفتار کو بدلنا ہے

○

محبت کا یقیں دِل کی زمیں پر لکھ دیا اُس نے
عجب حرفِ دعا میری جبیں پر لکھ دیا اُس نے

ہوا دیوانگی میں رقص کرتی ہے تو لگتا ہے
کہ جیسے گیت خوشبو کا کہیں پر لکھ دیا اُس نے

جو میں نے طاق میں خود سے چھپا کر خواب رکھا تھا
اُسے شب کی ردائے دلنشیں پر لکھ دیا اُس نے

یہ کیسا نور پھیلا ہے شبستانِ عقیدت میں
صحیفہ کیا مرے لوحِ یقیں پر لکھ دیا اس نے

○

سمندر کا سفر ہے رَت جگا ہے
دِیا اک پانیوں پر جل رہا ہے

افق پر دور اک نیلا ستارہ
مرے ہمراہ شب بھر جاگتا ہے

ہواؤں سے تھکا ہارا پرندہ
سنہرے پانیوں پہ آ گرا ہے

مرے دل کی ہتھیلی پر کسی کا
کوئی پیغام لِکھّا رہ گیا ہے

عجب ہے ہجر موسم کی کہانی
بدن کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہے

ہَوا نے آج کیسی بات کہہ دی
گُلوں کا حوصلہ بکھرا ہوا ہے

مہکتی ہے مرے دل کی حویلی
کوئی دیوار و در میں بولتا ہے

○

ایک بڑھتی ہوئی وحشت سے کہاں نکلیں گے
یہ ستارے شبِ ہجرت سے کہاں نکلیں گے

اب کوئی آئے غمِ عشق سے آزاد کرے
ورنہ ہم حیرت و حسرت سے کہاں نکلیں گے

عمر صحرا کی طلب ساتھ لئے پھرتی ہے
ہونٹ اَب پیاس کی شدت سے کہاں نکلیں گے

ہم جو چپ چاپ ترے در سے لگے بیٹھے ہیں
رائگاں رقصِ عبادت سے کہاں نکلیں گے

وصفِ سچائی نے مصلوب کئے رکھنا ہے
بارشِ سنگِ ملامت سے کہاں نکلیں گے

ترے کوچے میں رہے تو یہ ترے سادہ دل
شدتِ رنج و ندامت سے کہاں نکلیں گے

ربِّ اظہار ہمیں اذنِ رہائی دے دے
ورنہ ہم غم کی تلاوت سے کہاں نکلیں گے

اُس نے منزل پہ پہنچ کر بھی پلٹ جانا ہے
ہم بھی گردابِ مسافت سے کہاں نکلیں گے

○

تیری خوشبو کا ہنر کھولیں گے
آج ہم ساتواں در کھولیں گے

کون سا اِسم پڑھے موجِ صبا
پھول کب دیدۂ تر کھولیں گے

عشق کا بھید سرِ بام کبھی
آپ پر بارِ دگر کھولیں گے

اپنی نادیدہ مسافت میں کہاں
ہم یہ اسبابِ سفر کھولیں گے

عشق والے بھی کبھی وحشت میں
قصۂ دردِ جگر کھولیں گے

ایسی بے مہر فضا میں کیسے
لوگ سچائی کا در کھولیں گے

آخرِ شب کی دعا سے پہلے
خواب کا بھید مگر کھولیں گے

○

لوگ دیوار کا سایہ ڈھونڈیں
اَور ہم شدّتِ صحرا ڈھونڈیں

ایک بھولے ہوئے گھر کا رستہ
خوف کے شہر میں کتنا ڈھونڈیں

دُور تک پھیلے ہوئے ساحل پر
ریشمی شام کا سایہ ڈھونڈیں

آؤ کشتی میں کبھی رات گئے
ایک چہرا سرِ دریا ڈھونڈیں

بھول کر نام و نسب کی باتیں
کوئی خاموش سا گوشہ ڈھونڈیں

عشق اک خواب تھا برباد ہوا
کیسے تعبیر کا رستہ ڈھونڈیں

شب کی بڑھتی ہوئی تاریکی میں
ایک ننھا سا دِیا کیا ڈھونڈیں

جا دل تجھے آزاد کیا، سوچ اسے تُو
جس نے تجھے برباد کیا، سوچ اسے تُو

اُس کوچۂ وحشت سے چلے آئے تو ہم نے
اَب گھر نیا آباد کیا، سوچ اسے تُو

وہ جس نے شبِ وصل کی دہلیز پہ لا کر
تازہ ستم ایجاد کیا، سوچ اسے تُو

اُس عشق میں سچائی کہاں تھی مگر اُس نے
یہ جسم پری زاد کیا، سوچ اسے تُو

وہ سود و زیاں کی نئی تقسیم میں گم تھا
ہم نے اُسے آزاد کیا، سوچ اسے تُو

اب ترک وطلب کا بھی کوئی کھیل نہیں ہے
ہر خواب کو بے داد کیا، سوچ اسے تُو

کیوں تُو نے مرے دل! شبِ مستی میں اچانک
وہ رقصِ وفا یاد کیا، سوچ اسے تُو

○

راستوں میں رہے یا گھر میں رہے
عمر بھر وحشتِ ہنر میں رہے

کاسنی رنگ کی اداسی بھی
اَب مرے گھر کے بام و در میں رہے

وردِ حرفِ دعا لبوں پر ہے
اَور دیوانگی بھی سر میں رہے

نام بھی اُسکا اب تو یاد نہیں
جس کی تصویر چشمِ تر میں رہے

ہم بھی تو مثلِ حرفِ تازہ تھے
ہاں مگر دستِ بے ہنر میں رہے

بیعتِ مکتبِ وفا کر کے!!!
عمر بھر عشق کے سفر میں رہے

وردِ حرفِ دعا بھی لب پر ہو
اور دیوانگی بھی سر میں رہے

تیری خوشبو سے معتبر ٹھہرے
زندگی اَب ترے نگر میں رہے

○

اُسے کہنا کہیں گھر بن گیا ہے
کسی دیوار میں در بن گیا ہے

بدن پر تہمتوں کی بارشیں ہیں
ہمیں تو عشق محشر بن گیا ہے

تمہارے لب پہ اک حرفِ تسلی
ہمارے دل پہ نشتر بن گیا ہے

کمالِ وردِ اسمِ آگہی ہے
کہ قطرہ بھی سمندر بن گیا ہے

زمیں پر چاندنی کا رقصِ مستی
یہ کیسا شب کا منظر بن گیا ہے

○

اَب ہمیں لطفِ رقصِ شام گیا
اس محبت کا اہتمام گیا

عشق کے بدگمان موسم میں
میرے ہونٹوں سے تیرا نام گیا

اَب یہی مصلحت ضروری ہے
آپ سے برملا کلام گیا

لب پہ حرفِ دعا نہیں باقی
دل سے اندیشۂ دوام گیا

حرف و معنی کے قافلے روٹھے
شاعری سے وہ التزام گیا

موت کے سوگوار رستے پر
زندگی تیرا احترام گیا

شاہِ انصاف کو خبر نہ ہوئی
جان سے، کون سا غلام گیا

○

نشۂ وصلِ یار سے نکلے
ہم بھی آخر خمار سے نکلے

سوزِ عہدِ ملال ختم ہوا
ہم ترے اختیار سے نکلے

عشق بھی رائیگاں مسافت تھی
رنج و وحشت کے بار سے نکلے

کوئی کیسے تری محبت میں
ذات کے انتشار سے نکلے

آخرِ شب ترے شکستہ دل
آنسوؤں کے حصار سے نکلے

یوں تری جستجو سے نکلے ہم
جیسے کوئی قطار سے نکلے

اَب تو سامانِ گفتگو بھی نہیں
لفظ کے کاروبار سے نکلے

جب سے وہ صاحبِ جمال گیا
نشّہِ مہر و ماہ و سال گیا

اَب کسے جستجو مسیحا کی
زخم سے وصفِ اندمال گیا

جلوہِ رقصِ شام ختم ہوا
عشق کا رنگِ بے مثال گیا

نیند کی بے خودی گئی شب سے
لذتِ خواب کا سوال گیا

پھر ہواؤں سے دوستی کر لی
اَب در و بام کا خیال گیا

وصل کے خوشگوار موسم میں
ہجر کی رات کا ملال گیا

اَب یہی خامشی مقدر ہے
گفتگو کا سبھی کمال گیا

کون اِس وصل کی کہانی کو
ہجر کے راستے پہ ڈال گیا

○

محبتوں میں خسارہ عجیب لگتا ہے
ہمیں دعا کا سہارا عجیب لگتا ہے

شعورِ موسمِ ہجر و وصال رکھتے ہیں
سو عشق سارے کا سارا عجیب لگتا ہے

کبھی تمہاری طلب بے قرار رکھتی تھی
اور اَب تو ذکر تمہارا عجیب لگتا ہے

ہمارے دِل نے ارادہ تو کر لیا ہے مگر
اَبھی سفر کا ستارہ عجیب لگتا ہے

کبھی چراغ بہائے تھے جس کے پانی میں
وہ نہر اَب وہ کنارہ عجیب لگتا ہے

○

سفر کے ایک عجب دائرے میں رکھا ہے
تری طلب نے ہمیں راستے میں رکھا ہے

تمام عمر گنوائی تو ربِّ معنی نے
بس ایک حرفِ محبت صلے میں رکھا ہے

یہ کس کی یاد کی آہٹ تھی جس نے پچھلی رات
کوئی ملال مرے رتجگے میں رکھا ہے

مرا وجود تری یاد کی مشقت نے
کبھی اداس کبھی حوصلے میں رکھا ہے

شبِ وصال کبھی راس ہی نہیں آئی
عجیب ہجر مرے زائچے میں رکھا ہے

○

کنارے دور ہوئے ہیں مرے سفینے سے
میں ہجر کاٹ رہی ہوں مگر قرینے سے

یہ کس کے دستِ محبت سے گر کے ٹوٹ گیا
کوئی تو پوچھے مرے دِل کے آبگینے سے

ہمیں ستارہ و مہتاب کی طلب ہی نہیں
بس ایک خواب تری رات کے خزینے سے

نہ اب وہ شدتِ گریہ نہ خوفِ سود و زیاں
خموش آہ نکلتی ہے میرے سینے سے

بدن گلاب ہوا اور سخن چراغ ہوا
ملا ہے فیض مجھے عشق کے مدینے سے

لبوں پہ نرم تبسم کی دھوپ پھیلی ہے
کھِلا ہے حسن مرا آنسوؤں کو پینے سے

○

رقصِ مستی تھا سو خود سے بے خبر ہونا تو تھا
اے محبت! یہ بھی تیرے نام پر ہونا تو تھا

ہم نے لکھی تھیں گلابوں کے بدن پر خوشبوئیں
تتلیوں کا رقص اپنا ہم سفر ہونا تو تھا

یاد کی سوغات لے کر پھر رہے ہیں در بدر
رائیگاں باقی سبھی اسباب و زر ہونا تو تھا

وصل کی آسودگی میں جسم و جان تھکنے لگے
عشق کا خاموش موسم بے ثمر ہونا تو تھا

آنسوؤں سے رونقِ دیوار و در قائم رہی
خشک آنکھیں ہو گئیں ویران گھر ہونا تو تھا

کب تلک رہتا وہ میرے خیمۂ دل کا مکیں
اُس نے اِک دن موسموں کا ہم سفر ہونا تو تھا

○

ایک شبِ مہتاب سے بھاگتے پھرتے ہیں
ہم کیوں اَپنے آپ سے بھاگتے پھرتے ہیں

پیاس کی شدّت ہونٹوں کی تقدیر ہوئی
لیکن قطرۂ آب سے بھاگتے پھرتے ہیں

شام ڈھلے ساری چوپالیں سجتی ہیں
ہم اَپنے احباب سے بھاگتے پھرتے ہیں

خوشبو کی تحریر بدن پر لکھی ہے
اَور سفید گلاب سے بھاگتے پھرتے ہیں

آنکھوں میں بیتاب سمندر ہے پھر بھی
جانے کس گرداب سے بھاگتے پھرتے ہیں

ایک کتاب لئے پھرتے ہیں ہاتھوں میں
اور زر و اسباب سے بھاگتے پھرتے ہیں

انہیں کسی تعبیر کی خواہش کیسے ہو
لوگ جو عرصۂ خواب سے بھاگتے پھرتے ہیں

جسم و جاں کو بے اماں رہنے دیا
زندگی کو امتحاں رہنے دیا

اس نے عشق و آگہی کے باب میں
ایک حرفِ رائیگاں رہنے دیا

میرے آنچل سے ستارے چُن لئے
صرف احساسِ زیاں رہنے دیا

چاند کے چہرے پہ دستِ خواب نے
ایک نیلا سا نشاں رہنے دیا

موسمِ گل میں تمہاری یاد نے
خوشبوؤں کو مہرباں رہنے دیا

کھینچ لی پاؤں کے نیچے سے زمیں
اور سر پر آسماں رہنے دیا

اُس کے لہجے میں شکائت دیکھ کر
دل نے اُس کو بدگماں رہنے دیا

اُس نے میری جستجو کے باب میں
ایک دشتِ بے اماں رہنے دیا

○

دیکھ محبت ہاری مَیں
جان بھی تجھ پہ واری مَیں

وصل کی پہلی بارش میں ہی
بھیگ گئی تھی ساری مَیں

اسکی خوشبو کے رنگوں سے
یہ تصویر سنواری مَیں

ایک سمندر کے ساحل پر
ہجر کی رات گزاری مَیں

قطرہ قطرہ گرتی شبنم
لب پر آج اتاری مَیں

آپ ہی اپنے نام پہ لکھ دی
رستوں کی دشواری مَیں

○

غبارِ ہجر میں بھی راستہ بنانا ہے
اُسے بھُلانا نہیں خود کو آزمانا ہے

بس ایک سانس کی مہلت ہمیں غنیمت ہے
کہ اِک چراغ سرِ شامِ غم جلانا ہے

ہَوا سے کون شکایت کرے کہ اُس نے بھی
مِری منڈیر پہ جلتا دِیا بجھانا ہے

مِرے وجود میں مہکی ہوئی محبت نے
تمہارے ساتھ نئی بستیوں میں جانا ہے

○

دل سے دیوار اُٹھا کر رکھنا
دیکھنا زخم چھپا کر رکھنا

اُس کی خوشبو سے تکلم کے لیے
کیا کسی شب کو جگا کر رکھنا

جن سے چھوڑا نہ گیا شہرِ جنوں
اُن کے حق میں بھی دُعا کر رکھنا

دل کی ٹھہری ہوئی تنہائی میں
ایک تصویر سجا کر رکھنا

دُور تک جاتے ہوئے رستوں پر
دل کی وحشت کو سُلا کر رکھنا

نظمیں

برکلے کی ایک شام

تیری یاد کا آخری لمحہ
ٹھہر گیا ہے
سانولی شام کے سائے میں
اور یہ گہری دھند
اتر آئی ہے زمیں پر
اپنی ساری وحشت لے کر

سامنے رکھا گرم سلگتی کافی کا کپ
آنکھوں میں جلتے انگاروں سے آنسو
ہونٹوں پر
ویران کھڑی خاموشی کا دُکھ
روح میں پھر سے کانپتی تنہائی کی شدت
ایسی سرد اُداسی میں بھی
جانے کس نے
کاسۂ دل میں
دان کیا ہے
اک برباد محبت کی
آباد لحد کا نیلا پتھر!

یاد

تمہاری یاد کے بادل
برستے ہیں نہ چھٹتے ہیں
مگر دل کی زمیں پر
آنسوؤں کے نقش بنتے ہیں

موسم

عشق کا موسم نرم گلابی ہوتا ہے
اسی لئے تو
اس کی رنگت
شام پہ چھانے لگتی ہے

برف سمندر

تیری یاد کا پہلا بوسہ
دل کے اِس رخسار پہ ٹھہرا
اور سمندر برف ہُوا

راکھ

چلو-! اب ہم
محبت کی سلگتی راکھ
اپنی مٹھیوں میں لے کے
دریاؤں کی جانب جا نکلتے ہیں

عشق دعا ہے

عشق دعا ہے

ردِّ بلا ہے

ایک پرندہ

اور ہَوا ہے

شام کا لہجہ

بھیگ گیا ہے

آج سمندر

پھر تنہا ہے

اسمِ محبت

سب سے بڑا ہے

ایک دِیا پھر

جلنے لگا ہے

اب ہر آنسو

ایک دعا ہے

کس کو خبر ہے

کون خدا ہے

خالی رستہ

جاگ رہا ہے

گُل موسم

محبت کا یہ کیسا تجربہ ہے
بدن کی برف ہوتی شاخ پر
ہلکی گلابی سی کلی
کِھلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے -!

قطرہ قطرہ بارش

دھوپ نے میرے دِل کی زمیں سے
قطرہ قطرہ بارش چُن کر
پیاس کی چادر بُن دی ہے

یقین آنگن

میں کس طرح کوئی خواب دیکھوں
کسی نے میرے یقین آنگن کو
اتنا ویران کر دیا ہے
جنوں کو حیران کر دیا ہے

بس ایک شام

ہمارے ہاتھ میں زادِ وفا ہی کتنا تھا
بس ایک شام ستاروں سے جھلملائی ہوئی
بس ایک شب
تری خوشبو سے جگمگائی ہوئی
بس ایک صبح ترے قرب سے لجائی ہوئی
ہمیں ملے تھے محبت کے تین ہی موسم
ہمارے وصل کے اتنے ہی استعارے تھے
پھر اس کے بعد غمِ ہجر کے خسارے تھے۔!

شاید۔!

شاید تم نے یاد کیا ہے
اسی لئے تو
شام کا چہرہ
اتنا روشن لگتا ہے

چل مِرے دل چلیں!

چل مِرے دل چلیں!
شام کے راگ پر
رقصِ سادہ کریں
خوشبوؤں سے سخن کا ارداہ کریں
کوئی وعدہ کریں
نشۂ عشق میں روح کو بھی کہیں
بے لبادہ کریں
چل مرے دل چلیں!

سوال

مرے مولا!

تری آباد دنیا میں

مِرا دل

خانماں برباد کیوں ہے؟

پیام

ہَوا!

کہہ دو اُسے جا کر

بدن کی میلی چادر پر

وہ اپنی نرم خوشبو سے

کوئی حرفِ دعا لکھ دے

محبت کو خدا لکھ دے۔!

خواب کی ایک نظم

چلو ہم سیپیاں چننے کسی ساحل پہ چلتے ہیں
جہاں پاؤں کو چھو کر ریت کی ہلکی سی لرزش
مسکراتی ہو
جہاں ننھے سے بچے کی سیہ معصوم آنکھیں
بے یقینی سے
سمندر کے روپہلے پانیوں سے بات کرتی ہوں
جہاں پر دل محبت کے گھروندوں کی حسیں تعمیر کرتے ہوں
دعاؤں اور وفاؤں کا ہنر تسخیر کرتے ہوں

جہاں اٹھکیلیاں کرتے ہوئے آبی پرندے گیت گاتے ہوں
درختوں پر اُترتی شام کے مخمور سائے میں
دیئے سے جھلملاتے ہوں
جہاں پر مستیوں کے گیت گاتی کشتیاں لہروں پہ جیسے
رقص کرتی ہوں
اور عشق و آگہی کا اِسم پڑھتی ہوں

انہی مہکے گلابی موسموں میں خواب کے منظر سجانے کو
سنہری بارشوں میں بھیگ جانے کو
چلو نا!
ہم بھی چلتے ہیں
اب اپنے خوف کی دہلیز سے باہر نکلتے ہیں
چلو ہم سیپیاں چننے کسی ساحل پہ چلتے ہیں۔

گمان

مجھ کو علم ہے اتنا

وہ مِری محبت سے

منحرف نہیں ہوگا

تمہیں کیسے بتائیں ہم

تمہیں کیسے بتائیں ہم

عذابِ وصل کے ویراں جزیرے پر

ہمارے ریشمی پندار نے

وہ روز و شب کیسے گزارے تھے

ہر اک لمحہ دلِ سادہ کے دامن میں

کوئی تازہ اذیت تھی

شبوں میں رتجگوں کی ایک بے وجہ مسافت تھی

نہ کوئی خوش گمانی تھی نہ کوئی بدگمانی تھی

بہت ہی دُور تک پھیلی ہوئی اک رائیگانی تھی

فضا میں تشنگی کے ساحلوں کی ریت اڑتی تھی

زمیں پر بادلوں کے آنسوؤں سے نقش بنتے تھے

جہاں بھی شام ڈھلتی تھی

وہیں سب روشنی کے استعارے روٹھ جاتے تھے

ہمارے نام کے سارے ستارے ٹوٹ جاتے تھے

تمہیں کیسے بتائیں ہم

یہ تم جو وصل کی تازہ کہانی کو

کہیں آغاز کرنے پر

بہت اِصرار کرتے ہو

ہماری بے نیازی کا گلہ ہر بار کرتے ہو

گلابی خواہشوں کو نیند سے بیدار کرتے ہو

تو اے ساتھی

مرے اے مہرباں ساتھی

تمہارے نرم لہجے کی اداسی

اور تمہارے جذبہ و احساس کی سچائیاں اپنی جگہ

لیکن

ہمارے اس وجودِ نیم جاں کو راس ہی کب ہے

تب و تابِ محبت کی اسیری میں

فنا ہو کر متاعِ جاوداں ہونا

کسی کا مہرباں ہونا-!

تمہیں کیسے بتائیں ہم-!

وقتِ مغرب ہے یہ

وقتِ مغرب ہے یہ
ہاتھ اٹھتے نہیں ہیں دعا کیلئے
ضبطِ غم تھک گیا
حوصلہ بٹ گیا
ایک حیران ٹھہری ہوئی یہ فضا
نہ کوئی وصل کا خواب آنکھوں میں ہے
نہ کوئی ہجر کی شام یادوں میں ہے
سجدۂ عشق بھی

آج میری جبیں پر سمٹنے لگا
وہ جو بادل یقیں کا تھا چھٹنے لگا
سانس رکنے لگی، دل بھٹکنے لگا

اے مرے ربِ مہر و وفا!
اک نظر!
ہو کوئی معجزہ

وقتِ مغرب ہے یہ
ہاتھ اٹھتے نہیں ہیں دعا کیلئے -!

وحشت سرائے

مجھے معلوم ہے جاناں
تمہارے ہجر میں وہ رات جو مَیں نے گزاری تھی
وہ کب کی ڈھل چکی ہے
بہت آزردگی تھی ٹل چکی ہے
مگر اب بھی پرانے تجربے کی آہٹوں نے
جسم و جاں کو
ایک گہرے خوف میں رکھا ہوا ہے

نجانے کس لئے محسوس ہوتا ہے
کہ اس وحشت سرائے میں
کہیں اسمِ محبت کھو گیا ہے
وفا کا حوصلہ گم ہو گیا ہے
دعا کے رنگ پھیکے پڑ گئے ہیں
مری ہستی کا مرکز بٹ گیا ہے
ترا چہرہ نظر سے ہٹ گیا ہے

سنہرے خواب کا جگنو

تمہاری چشمِ حیراں میں کہیں ٹھہرا ہوا آنسو

لبوں پر ان کہی سی بات کا پھیلا ہوا جادو

بہت بے ساختہ ہنستے ہوئے

خاموش ہو جانے کی اک ہلکی سی بے چینی

تمہارے دونوں ہاتھوں کی کٹوری میں

سنہرے خواب کا جگنو

گلابی شام کی دہلیز پہ رکھا ہوا

اک ریشمی لمحہ

تمہاری نرم سی خوشبو سے وہ مہکا ہوا

اک شبنمی جھونکا

محبت میں یہی میرے اثاثے ہیں

کہیں پر سچ نہیں ہے

مرے صحرا پہ پھیلی وحشتوں میں

سنہری شب پہ ٹھہرے رتجگوں میں

گلابی خوشبوؤں کی ساعتوں میں

شعور و آگہی کے دائروں میں

خیال و خواب کے ان سلسلوں میں

گھروں سے دور جاتے قافلوں میں

کسی مندر میں بجتی گھنٹیوں میں

کہیں پر سچ نہیں ہے

سفر کے گیت گاتی تتلیوں میں

فضا میں مسکراتے جگنوؤں میں

یہاں ساحل پہ بکھری سیپیوں میں

وہاں لہروں پہ بہتی کشتیوں میں

پرندوں کی اترتی ٹولیوں میں

ہَوا میں سانس لیتی بولیوں میں

کہیں پر سچ نہیں ہے -!

نئے ساون کی پہلی بارشوں میں

بدن کی برف کرتی خواہشوں میں

کسی سے بے ارادہ رنجشوں میں

زمیں سے آسماں تک منظروں میں

بکھرتے تیرتے کچے گھڑوں میں

سدا سے منتظر ان کھڑکیوں میں

کہیں پر سچ نہیں ہے!

ادراک

یہ کیسا دشتِ ہجرت ہے

کہ اِن بے سمت رستوں پر

سلگتے جسم و جاں لے کر

شکستہ خواب کب سے

ریزہ ریزہ چن رہی ہوں

تمہارے نام کی تنہائیوں کو

اَب اپنی دھڑکنوں میں سُن رہی ہوں

مرے ہاتھوں میں ہے اَب زندگی کی
ذرا سی ڈور الجھی اور سلجھی
میں جس سے اک رِدائے خوش گمانی بُن رہی ہوں

محبت بھی مسلسل امتحاں ہے
دعا بھی اَن سنی سی داستاں ہے
سفر سارے کا سارے رائیگاں ہے
بھلا کیسے خبر ہو سچ کہاں ہے۔!

پوجا کی تھالی

عجب وحشتِ رقص مستی ہے دیکھو
کبھی لب سوالی
کبھی کاسۂ جاں وفاؤں سے خالی
کبھی چشمِ حیرت میں خوابوں کی خوشبو
کبھی دل کی دھرتی پہ ہے خشک سالی
کبھی آس کا کوئی غنچہ کھلے
شام کا رنگ بدلے
کبھی ٹوٹنے کو لچکتی رہے
عمر کی زرد ڈالی

یہی ہے جزا
گر ترے عشق کی تو
مرے ہاتھ سے چھوٹ جائے گی آخر
یہ پوجا کی تھالی!

مینوں لگ گئی بے اختیاری

طلب کی شب میں
ہوا نے کتنی سپردگی سے
تمھاری خوشبو کو
میرے ہونٹوں پہ رکھ دیا ہے!

۱۸ جنوری

شام کی حویلی میں
میرے دل کے ماتھے پر پھر ہوا نے چپکے سے
ایک لفظ لکھا ہے
اور وہ 'محبت' ہے

می رقصم

تمہاری خوشبوؤں کے دائروں میں
رقص کرنا بھی
عجب اک تجربہ ہے
کہ میرے پاؤں میں بجتے ہوئے
ان گھنگھروؤں کی مستیاں
تھکتی نہیں ہیں

جاتے ہوئے

آج کی شام تو آخری ہے نا!
آؤ ایسی باتیں کر لیں
جن کی خوشبو ہجر سفر میں
دل کی آنکھیں روشن رکھے۔

کچھ اور غزلیں

شاعری کے دیئے جلاتی ہے
روشنی راستہ بناتی ہے

صبح کے ریشمی اجالے میں
کوئی خوشبو ہمیں جگاتی ہے

ہجر کی شام صحنِ ہستی میں
ایک دیوارِ غم اٹھاتی ہے

پھول سے بدگمان یہ تتلی
کیوں محبت کے دکھ اٹھاتی ہے

چاندنی میرے دل کے آنگن میں
رات بھر رتجگا مناتی ہے

جل رہے ہیں چراغ رستوں پر
اور ہَوا ان پہ مسکراتی ہے

○

جاناں! یہ عشق ہی نہیں آزار بھی تو ہے
دل معترض نہیں کہ وضعدار بھی تو ہے

چل دیں، کہ ایک خانۂ برباد ہے یہاں
بیٹھیں، کہ ایک سایۂ دیوار بھی تو ہے

ترکِ جنوں بھی شیوۂ اہلِ وفا نہیں!
دل رسم و راہِ عشق سے بیزار بھی تو ہے

سوزِ طلسمِ تیرہ شبی خیر ہو تری
رستے میں ایک صبحِ طرحدار بھی تو ہے

جس نے بدن پہ ریشمی خوشبو بکھیر دی
اس لمسِ باریاب سے انکار بھی تو ہے

آنکھیں خمارِ خواب سے گم ہوگئیں تو کیا
درپیش کوئی عرصۂ بیدار بھی تو ہے

رسوائیوں کا خوف بہت ہے مگر یہاں
خاموش کوئی صورتِ کہسار بھی تو ہے

خلقِ خدا بھی گرچہ مرے ساتھ ساتھ ہے
تنہائیوں کا سلسلۂ دار بھی تو ہے

○

ہمیں مغرور ہونا چاہئے تھا
بہت مسرور ہونا چاہئے تھا

محبت تجربہ ہے جسم و جاں کا
اسے بھرپور ہونا چاہیئے تھا

مرے دل کے مقدر میں بھی کوئی
وصالِ طوُر ہونا چاہئے تھا

فضائے شہر تیرا فیصلہ بھی
ہمیں منظور ہونا چاہئے تھا

چراغوں سے ہوا کی دوستی کا
کوئی دستور ہونا چاہئے تھا

شبِ فرقت ہے اور اتنا چراغاں
اسے بے نور ہونا چاہئے تھا

کبھی تو بدگمانی کا یہ موسم
دلوں سے دُور ہونا چاہئے تھا

ہمیں اس کا پتہ دے
سمندر راستہ دے

فضائے عشق بدلے
کوئی ایسی دعا دے

ترا حرفِ تسلّی
سفر میں حوصلہ دے

مری تاریک شب کو
بس اِک جلتا دیا دے

بدن خوشبو سے مہکے
اِک ایسا رت جگا دے

غضب ہے چشمِ گریہ
کوئی اس کو سُلا دے

○

ماہ و انجم شمار کرتے ہیں
رات کو بے قرار کرتے ہیں

شام ڈھلتی ہے اُس کنارے پر
آؤ دریا کو پار کرتے ہیں

چاند راتوں میں جلتی آنکھوں کو
راستوں کا غبار کرتے ہیں

تتلیاں بے نیاز ہیں ورنہ
پھول تو انتظار کرتے ہیں

اُس کے لہجے میں برف گرتی ہے
اور ہم اُس کو پیار کرتے ہیں

○

رنگ اور نور کا بہتا ہوا دریا تُو ہے
زندگی میرے لئے خواب کا رستہ تُو ہے

جیسے آنچل پہ کوئی چاند ستارے رکھ دے
اس طرح شہرِ طلسمات میں بستا تُو ہے

تیری خوشبو سے سجا ہے یہ مرا شہرِ خیال
شاعری میں جو مہک اٹھتا ہے لہجہ تُو ہے

اب مرے لب پہ کوئی نام نہیں تیرے سوا
عشق کے باب میں بس آخری سجدہ تُو ہے

اب کہاں فرصتِ احوالِ زمانہ دل کو
اب تو ہر شام کا بس ایک حوالہ تُو ہے

اب کوئی اور دعا لب پہ مچلتی ہی نہیں
اب تو بس تُو ہے سرِ شاخِ تمنا تُو ہے

○

زخمِ وحشت کا اندمال کہاں
دل ہے آمادۂ وصال کہاں

یاد رکھنے کی جستجو کیسی
بھول جانے کا اب ملال کہاں

رات کیسی اداس لگتی ہے
چاندنی میں ترا جمال کہاں

جو شبِ وصل سا مہک جائے
حرف و معنی میں وہ کمال کہاں

تیری آنکھیں بھی اب گریزاں ہیں
میرے لب پر بھی اب سوال کہاں

بے دلی روز و شب پہ ٹھہری ہے
اب وہ پہلے سے ماہ و سال کہاں

○

تتلیوں کی اداؤں سے خالی رہے
موسمِ گل دعاؤں سے خالی رہے

ہر طرف سرمئی خامشی رہ گئی
گیت کتنے صداؤں سے خالی رہے

وصل کا باب کھلتا بھی کیا عشق پر
جسم رنگیں قباؤں سے خالی رہے

اپنے دل پہ کڑی ضرب پڑتی رہی
اور لب التجاؤں سے خالی رہے

یوں تو چہروں کا میلہ رہا ہر طرف
گھر سخن آشناؤں سے خالی رہے

○

دُعا سے بدگمانی ہو گئی ہے
محبت رائگانی ہو گئی ہے

پرندوں سے ہَوا کی دوستی تھی
مگر نقلِ مکانی ہو گئی ہے

تمہاری گفتگو ہے رنجشیں ہیں
عجب سی یہ کہانی ہو گئی ہے

بہت ناراض تھی دل سے محبت
مگر اَب مہربانی ہو گئی ہے

کسی کی یاد میں مسرور رہنا
کوئی عادت پرانی ہو گئی ہے

ہمیں تو شامِ شہرِ دوستاں بھی
سرائے خوش گمانی ہو گئی ہے

○

دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا
رنج و وحشت کا نشاں جاتا رہا

آتشِ احساس جلتی رہ گئی
خوشبوؤں کا کارواں جاتا رہا

آرزوئے وصل بھی دِل سے گئی
ہجر کا بھی امتحاں جاتا رہا

ہم جنوں میں بے خبر چلتے گئے
اَور منزل کا نشان جاتا رہا

پھر تو جیسے زندگی کا ہر سفر
رائگاں بس رائگاں جاتا رہا

○

ہمارے روز و شب سی ہو گئی ہے
محبت بے طلب سی ہو گئی ہے

بدن سیراب کرتی نرم بارش
تمہارے چشم ولب سی ہو گئی ہے

فضائے کوچۂ احساس جاناں!
کسی تاریک شب سی ہو گئی ہے

کوئی سجدہ اُترتا ہے جبیں پر
تری تصویر ربّ سی ہو گئی ہے

درختوں پر بکھرتی چاندنی بھی
ترے نام و نسب سی ہو گئی ہے

شبِ فرقت میں کیسی مطمئن ہے
طبیعت بھی عجب سی ہو گئی ہے

○

شب کا منظر عجیب لگتا ہے
اَب سمندر عجیب لگتا ہے

جس میں بچپن کے دن گزارے تھے
اَب وہ پیکر عجیب لگتا ہے

دل پہ گرتی ہوئی فصیلوں میں
آہنی دَر عجیب لگتا ہے

پانیوں پر دیئے بہانے کا
اَب یہ منظر عجیب لگتا ہے

میرا احوال پوچھنے والے
دل پہ نشتر عجیب لگتا ہے

○

محبت میں خسارہ کر لیا ہے
تیرے دُکھ کو گوارا کر لیا ہے

جِسے خود سے چھپانا چاہیے تھا
اُسے بھی آشکارا کر لیا ہے

ترے لہجے میں ٹھہری رنجشوں سے
مرے دل نے کنارہ کر لیا ہے

ہَوا کی سَرخوشی یہ کہہ رہی ہے
سفر سارے کا سارا کر لیا ہے

○

عِشق کا حوصلہ نہیں باقی
اَب وہ شہرِ وفا نہیں باقی

ہاتھ اُٹھے تو ہیں دُعا کے لیے
اور حرفِ دُعا نہیں باقی

یہ بھی کیا بے نیازیٔ دل ہے
تجھ سے کوئی گِلہ نہیں باقی

اب ترے وصل کی کہانی میں
لطفِ بے ساختہ نہیں باقی

اب مری عمر کے شبستاں میں
ایک بھی رتجگا نہیں باقی

○

تمہارے غم سے ہجرت مانگتے ہیں
سنبھلنے کی رعائت مانگتے ہیں

یہی ہے ایک وصفِ جاودانی
سو اپنے رَبّ سے وحشت مانگتے ہیں

مِرے سجدے عبادت کے لیے اَب
کوئی خاموش پتھر مانگتے ہیں

تمہارے دل گرفتہ اِن دنوں بس
ہر اک دیوار میں دَر مانگتے ہیں

کبھی جو اعتبارِ زندگی تھا
وہی رنگِ طبیعت مانگتے ہیں

○

قبولیت کا گِلہ نہیں ہے
کہ لَب پہ کوئی دُعا نہیں ہے

عذابِ ہم سفری نہ مانگو
ابھی تمہیں تجربہ نہیں ہے

شکستِ جاں کا حساب کیا ہو
یہ واقعہ اَب نیا نہیں ہے

اُداس چہرے، سوال آنکھیں
یہ میرا شہرِ وفا نہیں ہے

یہ بستیاں جس نے راکھ کر دیں
چراغ تھا وہ ہَوا نہیں ہے

کوئی تو لمحہ سکون کا بھی
یہ زندگی ہے سزا نہیں ہے

○

ہر شخص سوال ہو گیا ہے
جینا محال ہو گیا ہے

سوچ کا منفرد روّیہ
جی کا وبال ہو گیا ہے

پہلے بھی کیا اشکبار کم تھے
اَب تو کمال ہو گیا ہے

ہجر کا یہ اُداس رستہ
کتنا محال ہو گیا ہے

وہ ترِا ریشمی سا لہجہ
گردِ مہ و سال ہو گیا ہے

○

شام سے ہجر کا سایہ نہ گیا
اور آنکھوں سے وہ چہرہ نہ گیا

کس کی خوشبو ہے ترے پہلو میں
سوچ کر، پھر تجھے سوچا نہ گیا

وصل کی شب بھی ترے پہلو میں
دل کا اندازِ گرفتہ نہ گیا

ہم کسے دل کی کہانی کہتے
وقت کا دائرہ توڑا نہ گیا

اپنی خواہش کے صنم خانے میں
ایک تصویر کو دیکھا نہ گیا

راستے گھر کی طرف آتے تھے
ہم سے ہی لوٹ کے آیا نہ گیا

○

کیا تیرا کیا میرا ہے
دُنیا رَین بسیرا ہے

عِشق سرائے میں اِس دل کا
جوگی والا پھیرا ہے

اُن آنکھوں کی گہرائی میں
ایک اُداس سویرا ہے

روز دھواں سا اُٹھتا ہے
جانے کس کا ڈیرہ ہے

○

دل کا مقدر دُوری، ماں
عشق کی بات ادھوری، ماں

ایک دِیا ہاتھوں میں رکھنا
رستے کی مجبوری، ماں

دیکھ نہ میرا چہرہ ایسے
کھول کتاب ادھوری، ماں

مَن آنگن میں پھیل گئی ہے
یہ کیسی کستوری، ماں

○

مِرے خیال کی خوشبو کو تازگی دینا
مِرے خدا مِرے لفظوں کو روشنی دینا

جسے شعور نہیں ہے مِری محبت کا
اُسے کبھی تو ذرا وصفِ آگہی دینا

نہ کوئی آہ لبوں پر نہ آنکھ میں آنسو
کبھی کسی کو نہ یوں دامنِ تہی دینا

بس ایک بوند مِری پیاس کے مقدر میں
پھر اس کے بعد بھلے کیسی تشنگی دینا

وہ جن کی ذات میں اک کائنات بستی تھی
مِرے لیے تو وہی نسبتِ نبیؐ دینا

○

رات گئے تک رو سکتا ہے
دل بھی پاگل ہو سکتا ہے

رات کا ساتھی صرف سمندر
اَور سمندر سو سکتا ہے

آنکھوں میں اِک وصل کا لمحہ
کتنے خواب پرو سکتا ہے

صبح سفر تک سنگ رہنے کا
یہ سمجھوتہ ہو سکتا ہے

لوحِ جنوں سے کیسے کوئی
حرفِ ملامت دھو سکتا ہے

○

گلابی روشنی اچھی لگی ہے
بدن کی دل لگی اچھی لگی ہے

مِرے آنچل کے رنگوں میں بکھرتی
تِری دیوانگی اچھی لگی ہے

جو تیرے نام پر لکھی گئی تھی
وہ ساری شاعری اچھی لگی ہے

ہمیں اچھا لگا ہے بات کرنا
تمہاری خامُشی اچھی لگی ہے

تمہارے شہر کی خاموشیوں میں
ہَوا کی نغمگی اچھی لگی ہے

محبت کے سفر کی تیرگی میں
کوئی شمع جلی اچھی لگی ہے

تِری خوشبو کی بارش میں سلگتی
بدن کی چاندنی اچھی لگی ہے

اُسے کیسے بتائیں آج شب تو
سرائے بے خودی اچھی لگی ہے

○

مِرے اطراف جنگل سو رہا ہے
مگر دریا میں پانی جاگتا ہے

عذابِ بدگمانی خیر تیری
ہمیں اس کا گِلہ اچھا لگا ہے

ترِے رستوں کی بارش سے گزرتے
ہَوا کا حوصلہ تھکنے لگا ہے

ابھی کیوں برف گرتی ہے بدن پر
ابھی تو ہات پر رنگِ حِنا ہے

عجب تھا عالمِ دیوانگی بھی
کہ دل تجھ کو خدا لکھتا رہا ہے

کسی کے عشق کا بے نام جگنو
مِری مٹھی میں کیسے آگیا ہے

○

محبت کا یہ کیسا تجربہ ہے
کِسی کا ہجر اچھا لگ رہا ہے

یہ کیسی خواہشِ بے تاب جاگی
کہ دِل اُس کی گلی تک آ گیا ہے

ہمارے گھر کی ویرانی کا قصہ
در و دیوار پر لکھا ہوا ہے

تمہارے نام کی رسوائیوں کو
بہت ہی پیار سے رکھا ہوا ہے

شہنشاہی بھی کب تھی راس ہم کو
فقیری میں بھی دم گھُٹنے لگا ہے

○

سخن سوغات سے بچھڑے ہوئے ہیں
ہم اپنی ذات سے بچھڑے ہوئے ہیں

سجا دیتے ستارے آسماں پر
مگر ہم رات سے بچھڑے ہوئے ہیں

بدن کی نرم خوشبو کے حوالے
تمہارے ہات سے بچھڑے ہوئے ہیں

تمہاری روشنی کے معجزے بھی
رِدائے ذات سے بچھڑے ہوئے ہیں

کہانی کیا سنائیں عمر بھر کی
وصالِ ذات سے بچھڑے ہوئے ہیں

○

ختم آزار کر دیا جائے
آخری وار کر دیا جائے

آج دل کو تری محبت سے
دستبردار کر دیا جائے

آؤ اَب نیند سے محبت کی
خود کو بیدار کر دیا جائے

آج کی شام کا ہر اِک منظر
منظرِ دار کر دیا جائے

کس لیے جسم و جاں سلگتے ہیں
اَب تو اظہار کر دیا جائے

دل کو عادت سی ہو گئی تیری
اِس سے انکار کر دیا جائے

○

عشق کا حوصلہ رہا ہے وہ
پھر مجھے یاد آ رہا ہے وہ

کون جانے کہ شب کے صحرا میں
کون سا گیت گا رہا ہے وہ

ایسی وارفتگی کے موسم میں
مجھ کو پتھر بنا رہا ہے وہ

شام ڈھلنے لگی ہے رستوں پر
درد دل میں جگا رہا ہے وہ

ایک دیوار کو اٹھاتا ہے
ایک دیوار ڈھا رہا ہے وہ

○

شب کا چہرہ بدل بھی سکتا ہے
عشق رستا بدل بھی سکتا ہے

ہم نے ڈالی ہے ناؤ دریا میں
اور یہ دریا بدل بھی سکتا ہے

شام بھی مبتلائے حیرت ہے
کوئی اتنا بدل بھی سکتا ہے

کون جانے کہ کب خموشی سے
گھر کا نقشہ بدل بھی سکتا ہے

○

ذات کے غم سے رہائی دے گا
عشق اِک اور جدائی دے گا

جس نے احساسِ جنوں چھین لیا
وہ بھلا کیسے خدائی دے گا

یہ ترے دشتِ محبت کا سفر
روح کو آبلہ پائی دے گا

دل مِرا درد کا مارا ہوا دل
شہرِ ہجرت میں دہائی دے گا

جس سے منسوب ہوا رشتۂ جاں
وہ بھی اِک روز برائی دے گا

○

بہار موسم کا سارا منظر مِری نگاہوں میں رکھ دیا ہے
وہ لمس جس نے بدن کو کھلتے ہوئے گلابوں میں رکھ دیا ہے

یہ میری راتیں تو تیرگی سے بلا کی مانوس ہوچکی تھیں
تمہاری آنکھوں نے روشنی کا گمان خوابوں میں رکھ دیا ہے

کوئی تو ہے جس نے آسماں سے قبولیت کا یقین مانگا
اور اپنا اسمِ جمال اُس نے مِری دُعاؤں میں رکھ دیا ہے

گلوں میں اَب تشنگی کا کوئی ملال باقی نہیں رہے گا
ہَوا نے خوشبو کا معجزہ پھر سے اوس قطروں میں رکھ دیا ہے

اِسی سے میرے جنوں کی یہ داستاں مکمل سی ہوگئی ہے
جو ایک حرفِ وفا کسی نے مِری کتابوں میں رکھ دیا ہے

کچھ اور نظمیں

رائیگاں

دلِ ناداں!

کہا بھی تھا

کہ اس شب میں

سلگتے ساحلوں پر

سیپیوں کے خواب بننا

رائیگاں ہوگا

کہاں وہ مہرباں ہوگا

دلِ ناداں!

مراجعت

فضائے آخرِ شب ہے

ہماری گفتگو میں چاہتوں کی تیز بارش

رفتہ رفتہ

کتنی مدّھم ہوگئی ہے

ذرا دیکھو!

ستارے آسماں پر

اس سفر سے

لوٹ جانے کا اشارہ دے رہے ہیں

ماورا

ہمیں اس عرصۂ شام و سحر سے
دور جا کر
تتلیوں کے دیس میں جاناں!
کسی ہلکے گلابی پھول کے دِل پر
سنہری حرف لکھنا ہیں
محبت کے!

ایک ریشمی لمحہ

بارشوں کے موسم میں
رات کی ہتھیلی پر
ایک ریشمی لمحہ
چاند بن کے اُترا ہے

تیسرا موسم

آج جو تُو نے مُڑ کے دیکھا

منظر ٹھہر گیا

ہجر نہ وصل، یہ تیسرا موسم

کہاں سے آ نکلا

مولا! اتنی تیز دھوپ میں

ایسی سَرد ہوا۔!

لکھ وار اساڈی بس سائیں*

محبت میں بہت آساں نہیں ہوتا

کِسی کے ہجر کو

اپنے جنوں کے باب میں تسلیم کر لینا

وفا کی خوشبوؤں کی نیکیاں تقسیم کر لینا

بدن پر پاؤں رکھتی پیاس سے بے حال بھی رہنا

اسے تسخیر کر لینا

دلِ برباد کا ان وحشتوں میں بھی

بکھرتے حوصلے تعمیر کر لینا

* حضرت خواجہ غلام فرید

بہت آساں نہیں ہوتا

سلگتے خیمۂ شب میں

بہت گہری اُداسی کی گزرتی ساعتوں میں

سُرخ آنکھوں کے کناروں پر

مچلتے آنسوؤں کو خامُشی کے ساتھ پی لینا

شکستہ روشنی کے سایے میں ہر پل

کسی کو دور ہوتے دیکھنا

اور ہونٹ سی لینا

محبت میں بہت آساں نہیں ہوتا۔!

زنجیرِ محبت

تمہاری نرم خوشبو نے

مِرے جلتے بدن پر

ایک زنجیرِ محبت ڈال رکھی ہے

آدھی ماں کی نظم

مَیں نے دیکھا تو نہیں ہے ترا اُجلا چہرہ
پھر بھی آنکھوں میں تصوّر تیرا
اس طرح ٹھہرا ہوا رہتا ہے
جس طرح کوئی شبِ ظلمت میں
چاند کے خواب دکھائے خود کو
سچ کے آداب سکھائے خود کو
تجھ کو سوچوں تو مہکتی ہے وفا کی خوشبو

اور ہونٹوں پہ سلگتا ہے دُعا کا جادو
تیرے ہر قطرۂ خوں کے صدقے
حرف و معنی کے صنم خانے میں
ایک تصویرِ جنوں زندہ ہے
ایک تحریرِ سکوں زندہ ہے
مَیں نے دیکھا تو نہیں ہے ترا اُجلا چہرہ!

سچ

کہیں پر سچ نہیں ہے
مِرے ہونٹوں کی گہری خامُشی میں
تِری آنکھوں کی حیراں سادگی میں
سکوتِ شام کی وارفتگی میں
سرائے صبح کی اِس دلکشی میں
عذابِ ہجر کی آزردگی میں
تھکے ہارے شعور و آگہی میں
بہت بے حال کرتی بے خودی میں
ترے وعدوں کی بکھری چاندنی میں
تری یادوں کی میلی اوڑھنی میں
کہیں پر سچ نہیں ہے۔!

یقین

مگر صحرا
محبت کی کہانی
یاد رکھتا ہے

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی

ہمارے گھر کے آنگن میں
گلابوں پر چنبیلی چھا گئی ہے
محبت کے شگوفے کھِل رہے ہیں

یاد اُس کی اتنی خوب نہیں

برف کرتی ہوئی بارش میں کبھی
زخم جلتے ہیں تو یاد آتا ہے
ہم نے بھی ایک محبت کی تھی

آخرِ شب

بے یقینی کے سرد موسم میں

جب محبت ہَوا کی بانہوں میں

پتّیوں کی طرح بکھرتی ہے

دِل پہ گہری لکیر پڑتی ہے

چاندنی کے اُداس رنگوں میں

ایک خاموش رات ڈھلتی ہے

جانے کیوں

اگرچہ ضبطِ غم کی شب تھی

پھر بھی جانے کیوں

کئی آنسو

ہماری آنکھ کی دہلیز سے باہر نکل آئے-!

PRISM

بارشوں کے موسم میں

بھیگ بھیگ جاتا ہے

تیری یاد کا چہرہ

اک اور موسم

عشق کا موسم بہت سنہری ہوتا ہے

اسی لئے تو اِس کی رنگت

شام پہ چھانے لگتی ہے

برکھا ایسے تو نہ برسو!

اِس برس تو ساون کی
بھیگتی فضاؤں میں
تیرے ہجر کی بارش
آگ سی لگاتی ہے
زندگی محبت کو......
رائیگاں بتاتی ہے

ابھی ممکن نہیں لگتا

ابھی ممکن نہیں لگتا
کسی کے چشم ولب کے سائے میں
ہم بھی
وجودِ زندگی رکھ دیں
شعور و آگہی رکھ دیں ـ!

Flash Back

گرمیوں کی دوپہریں
ساتھ لے کے پھر میرا
بچپنا چلی آئیں

متفرق اشعار

☆☆

اے گلِ دیدۂ تر ہم نے کہاں سوچا تھا
اس طرح ہوگی بسر ہم نے کہاں سوچا تھا

ایک نادیدہ مسافت میں اچانک اُس نے
جس طرح بدلی ڈگر ہم نے کہاں سوچا تھا

——☆——

کبھی شام شہرِ وصال میں تو مِرا ملال بھی دیکھنا
مِرے لب پہ آ کے ٹھہر گئے کبھی وہ سوال بھی دیکھنا

——☆——

قصۂ نامہرباں ہے اور مَیں ہوں
عمر کا کوہِ گراں ہے اور مَیں ہوں

پھر سے زنجیرِ مسافت پاؤں میں ہے
ایک دشتِ بے اماں ہے اور مَیں ہوں

——☆——

اگرچہ فیصلۂ ہجر اختیار میں تھا
مگر وہ شخص مِری ذات کے مدار میں تھا

سفر شناس! تجھے کون یہ خبر دے گا
دِیا جلائے ہوئے کوئی انتظار میں تھا

——☆——

بدن کی چاندنی بکھری ہوئی ہے
فضا میں بے خودی بکھری ہوئی ہے

ہماری شام کی تنہائیوں میں
تمہاری دلکشی بکھری ہوئی ہے

——☆——

ابھی تو وصل کی پہلی گھڑی ہے
ابھی سے خامُشی بکھری ہوئی ہے

☆

ترے غم کی عبادت ہو رہی ہے
مِرے دِل میں تلاوت ہو رہی ہے

تمہارے ہجر میں بے حال تھے ہم
مگر اب اس کی عادت ہو رہی ہے

کسی کے نام کی تنہائیوں سے
ہمارے دل کو نسبت ہو رہی ہے

☆

عرصۂ شام کی تنویر سے باتیں کرنا
جب بھی رونا تری تصویر سے باتیں کرنا

خواب سا ایک سجائے ہوئے رکھنا شب بھر
اور پھر نیند میں تعبیر سے باتیں کرنا

☆

اک تصور سے نکلنے نہیں دیتا ہے مجھے
دِل کسی طور سنبھلنے نہیں دیتا ہے مجھے

وصل کی آگ سی دہکائے ہوئے رکھتا ہے
اور اس آگ میں جلنے نہیں دیتا ہے مجھے

☆

شبابِ رقص و مستی میں اُسے زنجیر کرنا ہے
کبھی تسخیر ہونا ہے کبھی تسخیر کرنا ہے

☆

رات کی حویلی میں رتجگا ہی کتنا ہے
موت سے رگِ جاں تک فاصلہ ہی کتنا ہے

اک دِیا جلا رکھنا شام کی حویلی میں
اب ہمیں محبت سے سلسلہ ہی کتنا ہے

☆

ہمارے دل پہ چھائی بے دھیانی بھی عجب سی ہے
کسی کو بھُول جانے کی کہانی بھی عجب سی ہے

محبت نے ہمیں یوں تو سدا برباد رکھتا تھا
مگر اس بار دل کی رائیگانی بھی عجب سی ہے

☆

آنکھوں سے میری نیند کا رشتہ بحال کر
اے ربِّ ذوالجلال کوئی اندمال کر

دیکھوں تو ایک چہرہ ہے سوچوں تو ایک نام
اک شام کو ہی شہرِ محبت بحال کر

اک تیر تھا کہ دل کے بدن میں اُتر گیا
پھر ہم کو بیٹھنا پڑا ہتھیار ڈال کر

☆

ایک دشتِ رائیگانی میں رہوں
کِس لیے تیری کہانی میں رہوں

ایک وحشت ہے تمہاری یاد بھی
رات بھر جس کی گرانی میں رہوں

دِل میں شوقِ جستجو بھی اب نہیں
پھر بھی اِک نقلِ مکانی میں رہوں

☆

محبت کے قفس میں ہیں
تمہاری دسترس میں ہیں

☆

عجیب آگ بدن میں لگائے رکھتے ہیں
جو اشک دیدۂ تر سے نکل نہیں سکتے

بس ایک اسمِ جدائی ہمیں مقدّر ہے
اُسی کے زیر و زبر سے نکل نہیں سکتے

☆

یہ دل کی داستاں کہنی سنانی ختم کرتے ہیں
چلو ہم بھی محبت کی کہانی ختم کرتے ہیں

ہمارے درمیاں عہدِ شبِ مہتاب زندہ ہے
ہَوا چُپکے سے کہتی ہے اَبھی اِک خواب زندہ ہے